خونی مچھلیاں

پراسرار جانور سیریز

ہارر سیریز

محمد شعیب

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

خونی مچھلیاں

محمد شعیب

پانچویں کہانی

رات کا جانے کون سا پہر تھا؟ ماحول میں ہر سو سناٹا تھا لیکن وہ اس وقت بھی اپنے آفس میں اپنی ٹیبل کے عین سامنے بیٹھا ایک موٹی سی پرانی کتاب میں جانے کیا تلاش کر رہا تھا۔ نظروں سے ایک ایک سطر کو گزار کر اگلے صفحے پر جانے کے لئے اسے بمشکل دو منٹ لگ رہے تھے۔ اس کے سامنے ہی صوفے پر بیٹھی عالیہ لیپ ٹاپ کو آن کئے ورلڈ اولڈ لائبریری کی ویب سائیٹ آن کئے ہوئے تھی۔ اس نے ایک نظر ایم اے توقیر کی جانب دیکھا تو اسے مبہوت اپنے کام میں محو پایا۔

''توبہ ہے! مجھے آئے ہوئے پانچ گھنٹے بیت چکے ہیں مگر مجال ہے جو ان پرانی سی بھدی کتابوں سے اپنا چہرہ ایک پل کے لئے بھی ہٹایا ہو۔۔'' اس نے دل جلے لہجے میں زیر لب کہا تھا اور جب نگاہ اپنے لیپ ٹاپ پر گئی تو وہ اور تپ گئی۔ گھورتے ہوئے لیپ ٹاپ کی سکرین کی طرف دیکھا

''اور تو اور مجھے بھی اسی کام میں لگا دیا۔۔ جانے کون سی کتاب ہے جو ڈھونڈ رہے ہیں؟ ہنوں۔۔۔'' اس نے منہ بسوڑ کر سکرول بار نیچے کرنا شروع کی اور ایک ہاتھ رانوں پر رکھ کر اونگھنا شروع کر دیا۔ غنودگی نے جیسے ہی پر پھیلائے تو ایک آواز سے وہ بری طرح چونکی اور تقریباً گرتے گرتے بچی تھی۔ یہ فون کے رنگ کی آواز تھی۔ اس نے سامنے دیکھا تو ایم اے توقیر کسی کا فون سن رہا تھا۔

''اف۔۔!!'' اس نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے اپنے غصے کو ضبط کیا اگر اسے اپنا کام نہ ہوتا تو یقیناً وہ یہاں سے نو دو گیارہ ہو چکی ہوتی۔

''ٹھیک ہے۔۔ ہم صبح تک پہنچتے ہیں آپ کے پاس۔۔۔'' یہ کہہ کر اس نے کریڈل پر ریسور رکھا اور وہ بھدی سی پرانی کتاب جو یقیناً عالیہ کے نزدیک ایسی ہی تھی، کو بند کیا۔ رولنگ چیئر کا رخ پچھلی سائیڈ پر کھڑکی کے ساتھ الماری کی طرف گھمایا، وہاں سے اپنی گلاسز اور ایک خالی شیشی اٹھائی اور واپس پلٹا کھا کر اٹھا۔

''عالیہ۔۔ تمہاری آفس سے کتنے دن کی چھٹیاں ہیں؟'' اس نے وارڈروب کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''سر چار دن کی۔۔'' اس نے اکتائے ہوئے لہجے میں جواب دیا تھا۔ ایم اے توقیر نے پلٹ کر عالیہ کی طرف دیکھا اور پھر ہلکا

سا مسکرا دیا۔ واپس وارڈروب کی طرف رخ کیا اور اندر سے ویسا ہی جوڑا نکالا جو زیب تن کئے ہوئے تھا۔ یعنی سیاہ چست لباس جو سینے کے ابھاروں اور بازوؤں کے مسل کو ظاہر کرے۔

''تو پھر ٹھیک ہے، اپنا لیپ ٹاپ بند کرو اور تیار ہو جاؤ۔۔ آج کی مہم تمہارے ساتھ سر ہو گی۔'' فقط اتنا کہا اور واش روم میں جا کر اپنا لباس تبدیل کیا۔ عالیہ توقیر کے اس جملے کو نہ سمجھ سکی اور الجھے الجھے لہجے میں کھڑی ہوئی۔ لیپ ٹاپ کو شٹ ڈاؤن کیا اور توقیر کے واپس آنے پر اس کی طرف رخ کیا۔

''کیا مطلب تھا سر آپ کا؟ میں سمجھی نہیں۔۔'' جسے وہ اپنا سر کہہ رہی تھی وہ بمشکل اس سے پانچ سال بڑا ہو گا۔ خوبرو، خوش شکل نوجوان سیاہ لبادے میں ہر لڑکی کی پسند تھا۔ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ کو سینتے وہ اس کی جانب دیکھنے لگا

''تم یہاں سٹوری سننے آئی تھی ناں۔۔۔ اب میں سوچ رہا ہوں تمہیں سٹوری سنانے کی بجائے، سٹوری دیکھاؤں۔۔'' وہ الجھی الجھی نگاہوں سے توقیر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جبکہ اس نے ٹیبل کی طرف بڑھ کر کچھ فائلوں کو اٹھایا اور اسے عالیہ کو تھما دیا اور دروازے کی جانب بڑھا

''مطلب؟'' وہ وہیں ایستادہ تھی

''مطلب یہ کہ ہم شہر سے باہر ایک گاؤں سندل باد جا رہے ہیں۔ وہاں کے لوگوں کو کچھ پرابلم فیس کرنی پڑ رہی ہے بس اسے ہی حل کرنا ہے'' اب عالیہ سب سمجھ چکی تھی۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری اور خوشی کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ کمرہ مقفل کر دیا گیا تھا جب ایک پرچھائی بند کمرے میں ظاہر ہوئی تھی۔ جو آناً فاناً ہوا میں تحلیل ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

سندل باد شہر سے باہر ایک پر سکون گاؤں تھا۔ جس کے باسی پر سکون زندگی بسر کر رہے تھے۔ موسم ان کے مواقف تھا۔ نہ گرمی نہ سردی۔ شور و غل سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں۔ ہر فرد اپنی اپنی زندگی سے خوش تھا۔ کسی کو کسی سے کوئی شکوہ شکایت نہ تھا۔ گاؤں کا چودھری بھی اپنے گاؤں کا معاملہ بہت اچھے سے سنبھالے ہوئے تھا مگر کہتے ہیں ناں جہاں خوشیاں ہوں وہاں غم لازمی ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس گاؤں کی قسمت بھی ایک ہولناک دلدل سے جڑی ہوئی تھی۔ جس کا گدلا پانی سب کے لئے وبال جان تھا۔ گاؤں کے مغرب کی جانب جہاں ہر روز سورج گھنے جنگل میں اپنی کرنوں کو آغوش میں سمیٹتا ہوا دنیا کے دوسرے کنارے طلوع ہوتا تھا۔ وہیں ایک گدلے پانی کا دلدل تھا۔ جس میں عجیب و غریب مخلوق آباد تھی۔ جو نظر آنے میں ہو بہو مچھلیوں کی طرح تھیں مگر خصلت میں کسی آدم خور درندے سے کم نہ تھیں۔ ایک بار کسی ذی روح کا خون چکھ لیتیں۔ اس کے جسم کو فنا کئے بغیر نہ چھوڑتیں۔ وہ شخص اگر دنیا کے دوسرے کنارے بھی جا کر پناہ لے لیتا تب بھی گدلے پانی کی مچھلیاں اسے آدبوچتیں۔ اسی خوف

سے گاؤں کے چودھری نے جنگل کے اطراف ایک حفاظتی باڑ لگادی اور ہر کسی کا وہاں داخلہ ممنوع قرار دے دیا مگر کہتے ہیں ناں موت ہمیشہ پیچھا کرتی ہے۔ جس کی موت جہاں لکھی ہوتی ہے، وہ اس جانب کھچا چلا جاتا ہے۔ یہی یہاں کے باسیوں کے ساتھ ہو رہا تھا۔

جہان پچیس سالہ ایک خوش شکل نوجوان تھا۔ پچھلے برس ہی اس کا نکاح اپنی کزن سہانی سے ہوا۔ ان دونوں میاں بیوی کے علاوہ گھر میں جہان کا بوڑھا باپ اور بیوہ بھابھی اپنے دو بچوں رمشا اور عثمان سمیت رہتی تھی۔ جہان ایک ٹرک ڈرائیور تھا اور جو گاؤں کی لکڑیاں شہر لے جانے کا کام کرتا تھا اور اس کے لئے اس کا گزر روزانہ جنگل سے منسلک سڑک سے ہوتا۔ وہاں سے گزرتے ہوئے اس کے جسم میں عجیب سی سنسنی سرایت کر جاتی۔ گاؤں والوں کی باتیں اور چودھری کا حکم اس کی سماعت میں گونجتا۔

''خبردار! اگر کسی نے بھی اس باڑ کو پھلانگنے کی کوشش کی کیونکہ اس باڑ کے اس پار صرف موت ہے'' وہ اُس وقت تقریباً پانچ سال کا تھا۔ اپنے باپ کے ساتھ وہ بھی باڑ لگانے میں شریک تھا جب چودھری نے یہ حکم نامہ جاری کیا تھا۔ وہ مبہم سے الفاظ آج بھی اس کی سماعت سے ٹکراتے تھے۔

''کیا بابُو! کن فرسودہ باتوں کو لے کر بیٹھ گئے آپ۔۔ ان باتوں کو تو زمانہ بیت گیا اور آپ آج بھی اس واقعے کو سچ مان رہے ہیں۔۔'' ایک روز جنگل کے عین سامنے جہان کے ٹرک کا ٹائر پنکچر ہو گیا۔ اس کا ساتھی ڈرائیور بھی اس کے ساتھ پنکچر والا ٹائر تبدیل کرنے میں مدد کر رہا تھا جب اس نے باڑ کو دیکھتے ہوئے کہا تھا

''نہیں چھادے! یہ سب فرسودہ باتیں نہیں ہیں۔ سب حقیقت ہے۔ میں جب چار سال کا تھا جب گاؤں کے کئی لوگ اس جنگل میں موجود گدلے پانی کی مچھلیوں کا شکار ہوئے تھے۔'' جہان کو جیسے وحشت نے آگھیرا تھا۔ آنکھیں یک ٹک باڑ کو گھور رہی تھیں۔ ہاتھ بھی ہوا میں پل بھر کے لئے ساکت ہو گئے۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے ابھی وہ مچھلیاں گدلے پانی سے نکل کر باہر آئیں گی اور باڑ کو عبور کرنے کے بعد اس کے جسم کی تکا بوٹی بنا ڈالیں گی۔ اس نے جھرجھری لیتے ہوئے اپنی نگاہیں باڑ سے ہٹا کر ٹائر کی طرف ٹکائیں۔

''اچھا بابو۔۔!! تو اس واقعے کو کتنے برس بیت گئے؟'' چھادے نے پوچھا

''تقریباً اکیس سال۔۔۔'' اندازہ لگاتے ہوئے دھیمے لہجے میں جواب دیا

''اس کا مطلب میرے جنم سے بھی پانچ سال پہلے کی بات ہے۔۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے دھیرے سے بولا تھا اور پھر استہزائیہ انداز میں گردن جھٹک دی۔

''ہاں تیرے جنم دن سے بھی۔۔ اور یہ تیرے ذہن میں آج اس جنگل کا خیال کیونکر آگیا؟'' اچھنبے لہجے میں یک دم اس نے

استفسار کیا

''بس ویسے ہی صاحب۔۔!!'' اس نے بے نیازی سے شانے اچکائے اور پھر ٹائر تبدیل کرنے دینے کے بعد کپڑے جھاڑتے ہوئے دونوں کھڑے ہوئے اور واپس ڈرائیونگ سیٹ پر آبیٹھے۔ جہان نے ٹرک سٹارٹ کیا تو چھادا برجستہ گویا ہوا۔

''ویسے صاحب! یہ جنگل بھی تو کتنا گھنا ہے اور پھر یہاں کی لکڑیاں کوئی کاٹتا بھی نہیں۔۔ کیوں ناں ہم اس جنگل کی بھی لکڑیاں کاٹ کر شہر لے جایا کریں۔۔ یوں ہماری آمدنی میں بھی اضافہ ہو جائے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو گی۔'' وہ پرجوش انداز میں گویا ہوا۔ اس کے چہرے پر خوشی کی ایک لہر تھی جسے دیکھ کر جہان کے چہرے پر خوف کی ایک لہر امڈ آئی۔ وہ چھادے کی بات پر حیران و پریشان تھا جبکہ وہ اپنے جواب کا منتظر تھا۔

''بتائیے ناں بابو۔۔ کیسا ہے میرا آئیڈیا؟'' وہ ابرو اچکاتے ہوئے دوبارہ گویا ہوا

''بہت ہی بکواس آئیڈیا ہے تیرا اور تیرے ذہن میں ایسا بے کار آئیڈیا آیا بھی کیسے؟ کیا تُو نہیں جانتا کہ وہاں۔۔'' اس سے پہلے کہ وہ اپنا جملہ مکمل کرتا چھادے نے مداخلت کی۔

''وہاں موت بستی ہے۔۔۔'' اس نے عجلت کے ساتھ کہا تھا تو جہان نے ترچھی نگاہوں سے اس کے پورے وجود کو ٹٹولا۔

''یہی کہنا چاہتے تھے ناں آپ؟ لیکن بابو۔۔ ہم اُس گدلے پانی کے پاس تھوڑی جائیں گے؟ ہم تو صرف جنگل کے کنارے کنارے سے درخت کی لکڑیاں کاٹیں گے۔'' وہ اپنی ضد پر اڑا رہا مگر جہان نہ مانا۔ ایک نظر باڑ کے اس پار ڈالی تو موت کو دندناتا ہوا پایا۔ جھرجھری لیتے ہوئے چھادے کو جھڑکا اور وہاں سے چل دیا۔

کچھ دن ایسے ہی گزر گئے۔ پھر ایک دن سندل باد میں خوب بارش ہوئی۔ زمین نے خوب سیر ہو کر پانی پیا لیکن جب پانی حد سے تجاوز کر گیا تو اس نے وہی پانی ابلنا شروع کر دیا۔ ہر جگہ پانی ہی پانی تھا۔ آنے جانے والوں کو مشکلات کا سامنا تھا لیکن قدرت کے کاموں میں بھلا کون عمل دخل کر سکتا تھا۔ سب سورج کی نرم گرم کرنوں کے منتظر تھے مگر سورج تھا کہ کسی نئی نویلی دلہن کی طرح اپنے آپ کو بادلوں کی اوٹ میں چھپائے ہوئے تھا۔ ایسے میں جہان کے گھر میں بھی فاقوں نے ڈیرے جمانا شروع کر دیئے۔ ہفتے بھر کی طوفانی بارش کے بعد لکڑیوں میں ایسی نمی سمائی کہ مہینہ بھر کی دھوپ کے بعد بھی نہ سوکھیں۔ ادھر سہانی کی طبیعت بھی کچھ ناساز گار رہنے لگی۔ پیسے دن بدن ختم ہونے لگے۔ تبھی اس کے ذہن میں چھادے کی بات گونجی۔

''ہم تو صرف جنگل کے کنارے کنارے سے درخت کی لکڑیاں کاٹیں گے'' وہ اسی وقت اٹھا اور چھادے کے ساتھ باڑ کے پاس جا پہنچا۔ چھادا انتہائی خوش تھا۔

''کیا ہم صحیح کر رہے ہیں؟'' جہان کی زبان پر لرزہ طاری تھا۔

''جی بالکل بابو جی۔۔ چلیے آپ۔۔ اندر جا کر لکڑیاں کاٹیں۔ میں باہر کھڑا ہو کر دیکھتا ہوں کوئی آتو نہیں رہا۔۔'' چھادے کے کہنے پر اس نے لرزتے قدموں کو باڑ کی طرف بڑھایا اور دھیرے سے باڑ کو چھوا تو ایک سنسنی اس کے جسم میں دوڑ گئی۔ آنکھیں یک ٹک بس جنگل کے اندر جھانک رہی تھیں۔ جہاں سے موت کسی بھی وقت اسے آدبوچ سکتی تھی مگر اس نے اپنے خیالوں کو کچھ دیر کے لئے ضبط کیا اور اندر داخل ہوا۔ چھادے نے آگے بڑھ کر کلہاڑا پکڑایا تو جہان نے لکڑیاں کاٹنا شروع کر دیں۔ ادھر یہ لکڑیاں کاٹ رہا تھا۔ ادھر گدلے پانی میں موجود مچھلیاں انسانی خوشبو محسوس کر چکی تھیں۔ پورے گدلے پانی میں ہلچل مچ گئی۔ ساکت پانی یک دم جوش مارنے لگا۔ پانی خود بخود ابلنا شروع ہو گیا۔ ایک جھٹکے سے کچھ پانی دلدل سے باہر آیا اور دھیرے سے زمین پر کسی سانپ کی مانند رینگتے ہوئے آگے بڑھنے لگا۔ آسمان نے بھی یک دم تیور بدلنا شروع کر دیئے۔ بادلوں کا ایک سیاہ جھنڈ سیدھا جنگل کی طرف بڑھنے لگا۔ روشنی دھیرے دھیرے مدہم ہوتی چلی گئی جبکہ جہان اپنے کام میں مشغول رہا۔ پانی مسلسل بہتا جا رہا تھا۔ چھادا باڑ کے دوسری جانب کھڑا گاؤں کے راستے کی طرف دیکھ رہا تھا جو آج غیر معمولی طور پر سنسان تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے گرمیوں کی سخت دوپہر ہو اور ہر کوئی لو سے بچنے کی خاطر اپنے گھروں میں دبک کر بیٹھ گیا ہو۔ گدلا پانی جہان کے بالکل قریب پہنچ کر پل بھر کے لئے ساکت ہوا اور کسی اژدھے کی مانند پھن پھیلائے جہان کو تکنے لگا۔ اس کے گھورنے کی دیر تھی آسمان پر گھٹا مزید گہری ہو گئی۔ جہان نے اپنے ہاتھوں کو روک کر آسمان کی طرف دیکھا تو دل میں ایک وحشت نے جنم لیا۔ دل نے کہا کہ ابھی واپس چلا جائے مگر چھادے نے کام مکمل کرنے پر زور دیا۔ اب تک وہ ایک درخت کاٹ چکا تھا۔ دوسرا کاٹنا شروع کیا تھا۔ سانسیں بری طرح اتھل پتھل ہو رہی تھیں۔ پانی دوبارہ جہان کی طرف بڑھنے لگا اور اس کے قدموں میں پھیل گیا۔ جہان اس بات سے بے خبر کہ موت اس کے سر پر پہنچ چکی ہے لکڑیاں کاٹنے میں مصروف رہا۔ یک دم آسمان پر زوروں سے بادل گرجا تو جہان بری طرح کانپ گیا جس بنا پر کلہاڑے کی ضرب صحیح جگہ پر نہ لگی اور اس کی انگلی میں درخت کی چھال بری طرح پھنس گئی۔ خون کی ایک فوار نکلی اور ایک قطرہ زمین پر جا گرا۔ چھادا جو کچھ دیر پہلے تک گاؤں کے راستے پر نظر جمائے ہوئے تھا۔ جہان کی انگلی سے خون نکلتا دیکھ کر مسکرایا۔ اس کے چہرے پر شیطانی ہنسی اُمڈ آئی۔ نظریں قدموں میں گرے قطرے پر گئیں۔ جسے گدلے پانی نے اپنے اندر سمیٹ لیا اور پھر تیزی کے ساتھ واپس پلٹنے لگا۔ جہان بری طرح تڑپ رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس کی انگلی کو بری طرح چیر دیا ہوا اور پھر ان زخموں پر نمک چھڑ دیا ہو۔ اس نے تڑپتے ہوئے چھادے کی طرف دیکھا تو یہ دیکھ کر پیچھے کی جانب لڑھک گیا کہ وہاں دور دور تک کوئی آدم زاد نہیں۔ وہ تن تنہا اس خراب موسم میں جنگل کے پاس کھڑا تھا۔ سانسیں اتھل پتھل ہونا شروع ہو گئیں۔ اس نے لرزتے لبوں کے ساتھ چھادے کا نام لیا مگر وہ تو جیسے ہوا میں تحلیل ہو چکا تھا۔ اس کے جسم میں بری طرح لرزہ طاری ہوا۔ اس نے اپنی انگلی کی طرف دیکھا تو خون ابھی تک بہہ رہا تھا۔ سرسری نگاہ پیچھے گدلے پانی کی طرف گئیں تو آنکھیں ساکت رہ گئیں۔

خون کا ایک قطرہ گدلے پانی کے سنگ بہتا ہوا نظر آیا۔ وہ لمحہ بھر کے لئے پتھر اسا گیا تھا۔

''ابا۔۔۔'' وہ چیخا اور جھٹ اٹھ کھڑا ہوا اور گرتا پڑتا واپس گاؤں پہنچا۔ گھر پہنچنے پر اس کا جسم پسینے میں بری طرح شرابور تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے پانی کے نل کھول دیے ہوں۔ پسینہ ٹپ ٹپ گرتا جا رہا تھا۔

''کیا ہوا جہان؟ ایسے کیوں ہانپ رہے ہو؟ سب کچھ ٹھیک تو ہے ناں؟'' اس کی بھابھی نے جہان کو اس حال میں دیکھا تو فکرمندی کے ساتھ پوچھا مگر وہ تو کچھ بھی بتانے کی حالت میں نہ تھا۔ باہر دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ بری طرح ہانپ رہا تھا

''باہر کیا؟ جہان؟'' اتنے میں وہاں سہانی بھی آموجود ہوئی تھی۔ وہ بھی جہان کو دیکھ کر ہراساں رہ گئی اور اس کے وجود کو پکڑ کر جھنجوڑا۔

''وہ۔۔۔ خون۔۔۔ پانی۔۔۔ مچھلیاں۔۔'' وہ ہکلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ موت کا خوف اس کے سر پر رقص کر رہا تھا۔ سب اس کی ٹوٹی پھوٹی باتوں کو سمجھنے سے قاصر تھے۔

''جہان۔۔ صحیح سے بتاؤ کیا ہوا ہے؟'سہانی نے اس کے رخسار کو اپنے ہاتھوں میں سینتے ہوئے پوچھا تھا۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگ گئے مگر وہ کچھ بھی کہے بغیر بے ہوش ہو گیا۔ سب پر جیسے سکتا طاری تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد اس کی کچھ حالت سنبھلی تو اس نے آپ بیتی سنائی۔ سب کے سروں پر جیسے بم پھوڑا گیا تھا۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''تجھے کس نے کہا تھا کہ باڑ کے اس پار جانے کو۔۔۔'' ابا نے غصے میں کہا تھا۔ رات اپنے پر پھیلا چکی تھی مگر غم و خوف کی چادر نے اس خاندان کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ جہان کا پورا جسم کسی پنڈولم کی مانند جنبش میں تھا۔ آنکھیں خوف کے آنسوؤں سے پُر تھیں۔ تبھی یکایک تیز ہوا اچلی اور گھر کی تمام چیزیں اتھل پتھل ہونے لگیں۔

''ابا۔۔۔ مجھے بچا لو۔۔۔ وہ آ گئیں۔۔۔ وہ آ گئیں۔۔۔'' وہ چیختا رہا۔ سب گھر والے فکرمند تھے۔ سہانی نے اسے سنبھالنے کی بھرپور کوشش کی۔ کمرے کا دروازہ اگرچہ مقفل تھا مگر تیز ہوا کے جھونکے اس بند دروازے کو بھی دھجیاں اڑانے کے لئے تیار تھے۔ سب دبک کر کونے میں بیٹھ گئے مگر وہ ہوا دروازے کو توڑ کر اندر داخل ہو گئی۔ گھٹاٹوپ اندھیرا۔۔۔ آنکھیں کچھ بھی دیکھنے سے قاصر تھیں۔ سب ایک دوسرے کو آوازیں دیتے رہے مگر دیکھائی کوئی نہ دیا۔ ادھر جہان کے تو ہوش ہی اڑ چکے تھے۔ ہر لمحہ روپ بدلتا سایہ اس کی طرف مسلسل بڑھ رہا تھا۔ آنکھیں کسی خونخوار بھیڑیے کی طرح سرخ اور ناخن کسی درندنے کی مثل نوکیلے تھے۔ وہ مسلسل جہان کو ہی گھور رہا تھا۔ جبکہ وہ بری طرح سہم چکا تھا۔

''چھوڑ دو مجھے۔۔۔'' وہ اس کے سامنے منت سماجت کر رہا تھا مگر اس ہیولے کو بھلا کہاں ترس آنے والا تھا؟ اپنے نوکیلے

ناخنوں کو اس کی جانب بڑھایا تو اس کی گردن میں ہی پیوست کر دیئے۔ خون کا ایک فوارہ پھوٹا اور اس کے ہاتھ جہان کے خون میں رنگ گئے۔ درد سے وہ بری طرح کراہ اٹھا تھا۔ ایک انچ سے بھی لمبے ناخن اس درندنے نے اس کی گردن میں ٹھونس دیئے تھے۔ اب وہ واپس باہر کی طرف چل دیا۔ اس کے جاتے ہی اس کے جسم میں عجب کیفیت طاری ہو گئی۔ پورا جسم ایسے کانپ اٹھا جیسے بجلی کا ایک جھٹکا دیا ہو۔ وہ بے آب ماہی کی طرح زمین پر پڑا تھا اور جسم خود بخود باہر کی طرف کھچا چلا جا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی اسے رسیوں سے باندھ کر اپنی طرف کھینچ رہا ہو۔ اپنے دونوں ہاتھوں کو گردن پر رکھے وہ کسی شے کو ہٹانے کی مسلسل کوشش میں تھا۔ سانس بھی بری طرح چل رہا تھا۔ سہانی سمیت سب گھر والے جہان کی اس حالت کو دیکھ کر خوفزدہ تھے۔ آنکھوں سے اشک بہتے جا رہے تھے۔

''کوئی تو روکو جہان کو۔۔۔'' سہانی درد سے چلائی مگر کوئی آگے نہ بڑھا

''وہ گدلے پانی کی مچھلیاں اب اسے نہیں چھوڑیں گی۔۔۔'' ابا نے درد بھری آواز میں کہا تھا۔ سب کھڑے تماشہ دیکھتے رہے اور وہ جانوروں کی طرح زمین پر گھسٹتا ہوا جانے کہاں جا رہا تھا۔ سہانی سے یہ سب دیکھا نہ گیا اور آگے بڑھ کر جہان کے پاؤں پکڑ لئے۔ روتے ہوئے اس کا دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔ اس کے ہاتھ لگاتے ہی وہ ہیولہ پلٹا اور اپنی دہکتی آنکھوں سے شکار کو روکے جانے پر طیش میں آ گیا۔ اس نے ہاتھ بڑھاتے ہی اندھیرے کا وار کیا۔ سہانی کا جسم پیچھے دیوار سے جا ٹکرایا اور جہان بری طرح گھسٹتا ہوا گدلے پانی کی طرف جا رہا تھا۔ گاؤں والے شور کی آواز سن کر باہر آئے تو اپنے دروازے سے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکے۔ سب سمجھ چکے تھے۔ سالوں بعد وہ باڑ ٹوٹ چکی تھی۔ گدلے پانی کی مچھلیاں اپنی پہلا شکار ڈھونڈ چکی تھیں۔ آسمان پر زوروں سے بادل گرجتے جا رہے تھے جو ماحول کی وحشت کو مزید ہوا دے رہے تھے۔ سہانی ایک بار پھر آگے بڑھی اور جس کے پاس مدد کے لئے جاتی، وہ اپنا در بند کر دیتا۔ کوئی بھی اپنی جان گنوانے کے حق میں نہ تھا۔ وہ اکیلی اپنے شوہر کے پیچھے بھاگتی ہوئی اس جنگل کے پاس جا پہنچی۔ جہاں باڑ ٹوٹ چکی تھی۔

''جہان۔۔۔'' وہ چلائی۔ جہان بری طرح ہانپ رہا تھا۔ خون میں لت پت جسم بری طرح تڑپ رہا تھا۔ کسی بچے کی طرح وہ اپنی ٹانگیں زوروں سے زمین پر مارے جا رہا تھا۔ سامنے گدلے پانی کی مچھلیاں اپنا شکار پانے پر انتہائی خوش تھیں۔ پانی خود بخود جوش کھا رہا تھا۔ پانی کے بلبلے نکل نکل کر ہوا میں شامل ہو رہے تھے۔ سہانی نے آگے بڑھنا چاہا تو یہ مچھلیوں کے خدوخال دیکھ کر گنگ رہ گئی۔ آنکھیں یک ٹک سامنے دیکھتی رہیں۔ سانسوں کے چلنے میں بھی شبہ تھا۔ گدلے پانی سے ایک مچھلی نے ہوا میں جست لگائی تو اس کا ہولناک وجود سہانی کے سامنے آیا۔ رات کی سیاہی سے بھی زیادہ سیاہ جسم، کانٹوں سے بھی تیز دانت جو دور سے ہی دیکھے جا سکتے تھے۔ آنکھیں انگارہ برسا رہی تھیں۔ جسامت دو گز۔۔ موٹائی کسی بوہڑ کے پرانے درخت کی مثل۔ یکے بعد دیگرے اس جیسی کئی

مچھلیاں پانی سے باہر آئیں۔ جہان اس گدلے پانی کے اب بالکل پاس تڑپ رہا تھا۔ موت اور زندگی کا محاذ جاری تھا۔ سہانی کے پاؤں خود بخود زمین میں دھنسنا شروع ہوگئے۔ وہ آگے بڑھ کر اپنے شوہر کو بچانا چاہتی تھی مگر اس کے پیٹ میں درد کی ایک لہر اٹھی اور وہ زمین کی طرف جھکتی چلی گئی۔ آنکھیں آنسو بہا بہا کر سرخ ہو چکی تھیں۔

''خدا کے لئے کوئی تو بچاؤ۔۔۔ جہان کو۔۔۔'' آواز بھی پھٹی پھٹی اب نکل رہی تھی۔ آنکھوں میں غنودگی نے ڈیرہ جمایا مگر اس سے پہلے کہ وہ آنکھیں بند کرتی۔ اس نے سامنے دیکھا تو وحشت کا سا منظر اس کا منتظر تھا۔ وہ آدم خور مچھلیاں جہان کے جسم پر ایسے ٹوٹیں جیسے کوئی سالوں کا بھوکا شیر شکار پر جھپٹتا ہے۔ ایک ایک بوٹی اس کے جسم سے نوچ ڈالی۔ خون پورے گدلے پانی کی سطح پر تیرنے لگا۔ یہ دیکھ کر وہ اسی وقت بے ہوش ہوگئی۔ جب ہوش آیا تو خود کو گھر پایا۔ وہ جہان کا نام چلاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی مگر تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ گدلے پانی کی مچھلیاں نہ صرف اسے مار چکی تھیں بلکہ اس کا نام و نشان تک مٹا چکی تھیں۔ خون گدلے پانی میں جذب ہوگیا۔ گوشت پوست مچھلیاں کھا گئیں اور ہڈیاں مٹی ہوگئیں۔ کوئی اس کا آخری دیدار بھی نہ کرسکا۔ سہانی کی حالت غیر ہوتی جارہی تھی۔ تب اس کا ہاتھ اپنی پیشانی پر گیا جہاں سے خون رس رہا تھا۔

''خ خون۔۔۔!!'' خوف کے مارے اس کی آنکھیں باہر کو آگئیں۔ وہ گدلا پانی اس کے خون کا ذائقہ بھی چکھ چکا تھا۔ اس کا پورا جسم اب پہلے سے بھی بری طرح کانپ رہا تھا۔

''بھابھی۔۔ یہ خون۔۔'' سب کا دھیان اپنی طرف مبذول کروایا تو سب اس سے پیچھے ہٹنا شروع ہوگئے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی جو خون میں سرخ ہو چکے تھے۔

''اب وہ مچھلیاں مجھے بھی نہیں چھوڑیں گی۔۔۔ مجھے بھی مار ڈالیں گی۔۔ جیسے میرے جہان کو مار ڈالا۔۔'' وہ بین کرتے ہوئے کہہ رہی تھی مگر ماحول کو تو جیسے سانپ سونگھ چکا تھا۔ سب کے لبوں پر مہر لگ چکی تھی۔

''اس باڑ کو جس نے بھی توڑا، اس نے اچھا نہیں کیا۔ موت کا یہ سلسلہ ایک بار پھر شروع ہو چکا ہے۔'' چوہدری کے ملازم نے دھیرے سے چودھری کو کہا تھا۔

''ایسا نہیں ہوگا اب۔۔۔ موت کا ہر سلسلہ اب ختم ہونے کو ہے۔ اب گدلے پانی کی مچھلیاں کسی انسان کو اپنا شکار نہیں بنا سکیں گی۔۔'' ایک خوبرو نوجوان نے چوہدری کے عین سامنے بائیک کو بریک لگاتے ہوئے کہا تھا۔ اس کے پیچھے ایک لڑکی بیٹھی تھی جو دیکھنے میں ہی سیکرٹری معلوم ہو رہی تھی مگر لڑکا تو جیسے ہر آنکھ کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ سرخ و سفید رنگت پر سیاہ لبادہ قیامت ڈھا رہا تھا۔

''کون ہو تم؟ اور تمہیں گدلے پانی کی مچھلیوں کے بارے میں کیسے معلوم؟'' وہ اب بائیک سے اتر چکا تھا۔ چوہدری نے

حیرانی سے استفسار کیا تھا

''مجھے یہ سب کیسے معلوم ہوا؟ اسے چھوڑیئے بس اتنا جان لیجیے

ظلمت کے اندھیروں میں

امن کا ایک سفیر

کہتے ہیں لوگ مجھ کو

ایم اے توقیر۔۔!!!'' یہ کہتے ہی اس نے سہانی کی طرف دیکھا۔ جو ہراساں اپنی موت کی منتظر تھی۔ آنکھیں بھی اشک بہانا اب بھول چکی تھیں۔

''دیکھو سہانی۔۔ تمہیں ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں آگیا ہوں ناں۔۔ اب تمہارا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔۔ یہ وعدہ ہے میرا۔'' اُس کے کہنے پر سہانی نے کھوئے کھوئے انداز میں نظریں گھمائیں۔ وہاں موجود ہر شخص ان دونوں کو مشکوک نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''مجھے بس جنگل کا راستہ بتائیں۔۔۔'' وہ چوہدری کی طرف بڑھا تو اس نے اپنے بائیں جانب اشارہ کیا جہاں سورج اپنی آرام گاہ کی طرف گامزن تھا۔ گھنا سیاہ جنگل اس کی آرام گاہ تھا۔ عالیہ کو اپنے ساتھ لیا اور سیدھا اس جنگل کی طرف چل دیا۔

''سر اگر برا نہ منائیں تو ایک بات پوچھوں۔۔؟'' عالیہ نے ایم اے توقیر کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے کی کوشش کی مگر وہ اتنا تیز تھا کہ اسے تقریباً بھاگنا پڑ رہا تھا۔

''ہاں۔۔'' سنجیدہ لہجے نے جواب دیا تھا۔

''یہ گاؤں والے تو آپ کو پہچانتے بھی نہیں تو آپ کو فون کس نے کیا تھا؟'' عالیہ کے سوال پوچھتے ہی اُس کے قدم رک گئے۔ ایک گہری نگاہ عالیہ پر ڈالی تو اسے ایسا لگا جیسے اس نے کچھ غلط کہہ دیا ہو۔ پورے جسم میں ایک لرزہ طاری ہو گیا مگر جواب دینے کی بجائے وہ آگے بڑھ دیا۔ عالیہ کی بھی جان میں جان آئی اور شانے اچکاتے ہوئے آگے بڑھی۔

دونوں باڑ کے پاس جا پہنچے۔ جہاں کچھ فاصلے پر ایک دلدل دیکھائی دے رہا تھا۔

''تو یہ ہے گدلا پانی۔۔۔ اس میں رہتی ہیں وہ آدم خور مچھلیاں۔۔۔'' ایم اے توقیر نے گھورتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا اور آگے بڑھا۔ اس نے اپنی پاکٹ سے عینک نکال کر لگائی اور بغور گدلے پانی کا جائزہ لیا۔۔

''امپاسیبل۔۔۔'' اس نے حیرانگی سے کہا۔ عالیہ بھی اس حیرانی کا سبب پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

''یہ تو عام گدلے پانی کا دلدل ہے۔ کہیں بھی آدم خور مچھلیاں نظر نہیں آرہی مجھے۔۔۔'' اس نے عینک تبدیل کی شاید وہ

عہدِ وفا

ایمان پریشے کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا مُنفرد ناول، مُحبت کی داستان جو معاشرے کے رواجوں تلے دب گئی، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

بُجھ نہ جائے دِل دیا

سعدیہ عابد کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا شاہکار ناول، مُحبت، نفرت، عداوت کی داستان، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

قفس کے پنچھی
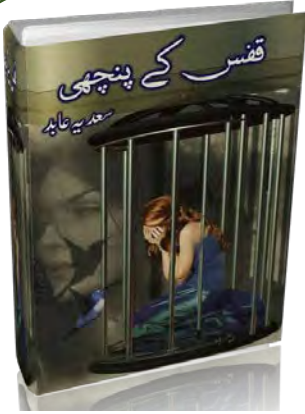
سعدیہ عابد کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا شاہکار ناول، علم و عرفان پبلشرز لاہور کے تعاون سے جلد، **کتابی شکل** میں جلوہ افروز ہو رہا ہے۔

آن لائن پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

جہنم کے سوداگر

مُحمد جبران (ایم فِل) کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا ایکشن ناول، پاکستان کی پہچان، دُنیا کی نمبر 1 ایجنسی آئی ایس آئی کے اسپیشل کمانڈو کی داستان، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

شہیدِ وفا

مُسکان احزم کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا ناول، پاک فوج سے مُحبت کی داستان، دہشت گردوں کی بُزدلانہ کاروائیاں، آرمی کے شب و روز کی داستان پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

آپ بھی لکھئے:

کیا آپ رائٹر ہیں؟؟؟۔ آپ اپنی تحاریر پاک سوسائٹی ویب سائٹ پر پبلش کروانا چاہتے ہیں؟؟؟

اگر آپکی تحریر ہمارے معیار پر پُورا اُتری تو ہم اُسکو عوام تک پہنچائیں گے۔ **مزید تفصیل کے لئے یہاں کلک کریں۔**

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام، پاکستان کی سب سے زیادہ وزٹ کی جانے والی کتابوں کی ویب سائٹ، پاکستان کی ٹاپ 800 ویب سائٹس میں شُمار ہوتی ہے۔

بہتر نتائج دیکھا سکے مگر بے سود۔

''آپ کو کیسے معلوم سر؟''اس نے حیرت سے پوچھا تھا

''یہ گلاسز دیکھ رہی ہو تم۔۔ سات دیواروں کے پیچھے چھپی ان دیکھی مخلوق کو بھی آئینے کی طرح سامنے لا کر کھڑا کر دیتی ہے یہ۔۔''عینک اتار کر دوبارہ پاکٹ میں رکھا اور ارد گرد چیزوں کا جائزہ لیا مگر اسے کوئی قابل اعتراض یا مشکوک شے نظر نہ آئی۔عالیہ بھی محو حیرت سے اُس کی نقل و حمل کو نوٹ کر رہی تھی۔

''میرے خیال سے ہم غلط جگہ آ گئے ہیں۔ ہمیں واپس جا کر سہانی سے پوچھنا چاہیے کہ اسے کہاں نظر آئی تھیں وہ مچھلیاں؟''عالیہ کی بات کی تائید کی گئی۔دونوں واپس گاؤں آئے تو وہاں قہرام مچا ہوا تھا۔جہان اور سہانی کے گھر سے بین کی آوازیں مسلسل بلند ہو رہی تھیں۔جواز جانا تو معلوم ہوا کہ وہ مچھلیاں سہانی کو بھی جہان کی طرح اپنے ساتھ لے گیا۔یہ سن کر توقیر کو دھچکا لگا۔عالیہ کی سانسیں بھی ساکت رہ گئیں۔راستہ پوچھنے پر اسی جنگل کی طرف اشارہ کیا گیا۔توقیر اس راستے کی طرف بھاگا تو عالیہ بھی پیچھے ہولی۔جب دونوں وہاں پہنچے تو وہاں کا منظر پہلی بار سے جدا تھا۔ گھٹاٹوپ اندھیرا پورے جنگل کو لپیٹے ہوئے تھا۔ہواؤں کا رقص جاری تھا۔سہانی زمین پر کسی سانپ کی طرح رینگتی جا رہی تھی۔ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے گلے کو رسی سے باندھ کر کوئی گھسیٹ رہا ہو۔گلے سے مسلسل خون بہتا جا رہا تھا۔آنکھوں کے اشک زمین بوس ہو رہے تھے۔

''سہانی۔۔۔''ایم اے توقیر عقاب کی تیزی کے ساتھ آگے بڑھا اور سہانی کو روکنا چاہا مگر وہ اس کے ہاتھوں سے مسلسل نکلتی جا رہی تھی۔وہ اپنی پوری طاقت کے ساتھ اسے روکنے کی کوشش کر رہا تھا مگر اُس ان دیکھی مخلوق کی طاقت اس سے کہیں زیادہ تھی۔وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اپنے پاؤں کو زمین میں گاڑھ چکا تھا تا کہ سہانی کو آگے بڑھنے سے روکا جا سکے مگر سب بے سود رہا۔وہ خود بھی اب سہانی کے ساتھ آگے گھسیٹا جا رہا تھا جبکہ سہانی روتے ہوئے اپنی زندگی کے لئے چلا رہی تھی۔

''سر۔۔!!''یک دم عالیہ چیخی۔ایم اے توقیر نے پلٹ کر دیکھا تو عالیہ نے اپنے لرزتے ہوئے وجود سے سامنے کی طرف اشارہ کیا۔اُس نے دھیرے سے گردن گھمائی تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔سانسیں بھی پل بھر کے لئے تھم گئیں۔گدلا پانی جوش مار رہا تھا اور آدم خور مچھلیاں اپنا شکار دیکھ کر بے تابی سے غوطے لگا رہی تھیں۔اس کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی ہوتی محسوس ہوئی تو سہانی کا وجود پھسلتا چلا گیا۔جلد ہی اس نے اپنے اعصاب پر قابو پایا اور سہانی کو پاؤں سے پکڑ کر کھینچا۔

''چھوڑ دو اسے۔۔''توقیر نے کرخت آواز میں کہا مگر ماحول ویسا ہی وحشت ناک تھا۔اس نے پلٹ کر عالیہ سے مدد چاہی مگر وہ وہاں نہیں تھی۔شاید ڈر کر کھسک گئی تھی۔

''تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔۔۔ میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دونگا''یہ کہتے ہی اس نے تقریباً گھسیٹے ہوئے ساتھ ہی پڑی رسی کو

کھینچا جس کا ایک سرا پہلے ہی کسی درخت کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ دوسرا اس نے بڑی مشکل سے سہانی کے پاؤں سے باندھا۔ وہ اب ہاتھ جھاڑتا ہوا کھڑا ہوا۔ سہانی کے پاؤں سے رسی مسلسل پھسلتی جا رہی تھی۔ گدلے پانی کی مچھلیاں سہانی کو ہوا میں ایستادہ دیکھ کر بے تاب ہو رہی تھیں۔ ان کا غصہ ان کا اہنکار مسلسل بڑھتا جا رہا تھا۔ ان میں سے ایک نے توقیر پر نگاہ دوڑائی جو مسلسل انہیں ہی گھو رہا تھا۔

''چلے جاؤ۔۔ ورنہ تم بھی مرو گے۔۔۔''وہ مچھلیاں ایک ساتھ پکار اٹھیں۔ سماعت شکن آواز فضا میں گونجی تو اسے اپنے کانوں کے پردے پھٹتے معلوم ہوئے۔

''جاؤں گا میں نہیں۔۔۔ بلکہ تم۔۔''یہ کہتے ہی اس نے جست لگا کر ایک مچھلی پر وار کرنا چاہا مگر یہ دیکھ کر اس کے حواس کھو گئے کہ وہ مچھلی کو مارنا تو درکنار چھو بھی نہ سکا اور اس کا ہاتھ مچھلی کے جسم سے آڑ پار چلا گیا۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ایک بھدا سا قہقہہ فضا میں گونجا۔

''تم مجھے مارو گے۔۔۔ تو مارو۔۔۔''تمام مچھلیاں اب گدلے پانی کی سطح پر آ چکی تھیں۔ منظر انتہائی وحشت ناک تھا۔ سہانی کو موت سے غشی نہ آ رہی ہوتی تو یہ منظر دیکھ کر ضرور بے ہوش ہو جاتی۔

''اے ے ے۔۔۔!!''وہ ایک بار پھر پوری طاقت کے ساتھ پلٹا تھا مگر نتیجہ نہ بدلا۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ بری طرح چونکا تھا۔ وہ ہوا تھی یا پھر ایک چھل۔ آنکھیں جو دیکھ رہی تھیں کیا وہ سب سچ تھا؟ کیا وہ مخلوق ہی تھی یا پھر آنکھوں کا ایک سراب۔ اس نے پلٹ کر سہانی کی طرف دیکھا جو کرب سے چلا رہی تھی اور رسی مسلسل پھسل رہی تھی۔

''نہیں۔۔۔ یہ نہ ہی چھل ہے اور نہ ہی سراب۔ حقیقت ہے مگر حقیقت نہیں۔''وہ اتنا تو سمجھ ہی چکا تھا۔ اس لئے اپنا انداز بدلا۔

''کیا ہوا ایم اے توقیر۔۔ اب کیا کرو گے تم؟ اب دیکھنا تمہاری آنکھوں کے سامنے کیسے ہم اس لڑکی کے جسم سے بوٹی بوٹی الگ کر دیں گے۔۔''سہانی پر گرفت اس مخلوق کی بڑھ گئی۔ اس کی دردناک چیخیں اُس کی سماعت میں گونجی تو وہ کانپ اٹھا

''نہیں۔۔۔''یہ کہتے ہی اس نے حقارت آمیز نگاہوں سے ان مچھلیوں کی طرف دیکھا اور ہاتھ میں پہنی انگوٹھی کو چوما۔ ایک پر اسرار روشنی نگ سے پھوٹی۔ اب اس نے نگ کا رخ گدلے پانی کی طرف کیا۔ گدلا پانی دھیرے دھیرے سکڑنا شروع ہو گیا۔ جیسے روشنی اسے اپنے اندر جذب کر رہی ہو

''میں تمہیں جلا کر راکھ نہیں کر سکتا تو کیا ہوا۔ تمہیں انگوٹھی میں قید تو کر سکتا ہوں۔ تم ایک عکس ہو اور اس کا اندازہ مجھے بخوبی ہے۔ اس لئے عکس کو عکس میں ہی قید کیا جا سکتا ہے۔''اس بار اُس کے چہرے پر ایک الگ مسکراہٹ تھی۔ ہوا کے تیز جھونکے

اس کے کام میں مخل ہو رہے تھے مگر وہ ڈٹا رہا۔ مچھلیوں کی چیخیں گونجیں اور دھیرے دھیرے سب غائب ہوتی دیکھائی دیں۔

''تم ہمیں تو مٹا سکتے ہو توقیر۔۔۔ مگر اپنا مقصد کبھی نہیں پا سکتے۔۔۔ وہ تمہیں کبھی نہیں ملے گا۔۔۔'' یہ جملے گونجے اور ساتھ ہی سب کچھ غائب ہو گیا۔ یہ سنتے ہی توقیر زمین پر گرتا چلا گیا۔ آنکھیں ساکت رہ گئیں۔ وہ جیت چکا تھا مگر حالت شکست خوردہ شخص کی طرح تھی۔ ہاتھ بے جان سے زمین پر آ گئے۔ عالیہ دوڑتی ہوئی آئی اور سہانی کو آزاد کروایا۔ گاؤں والے وہاں آئے اور شکریہ ادا کر کے سہانی کو اپنے ساتھ لے گئے۔ سب کے جانے کے بعد عالیہ نے توقیر کی جانب دیکھا تو اس کی حالت غیر تھی۔ اس نے کبھی توقیر کو ایسی حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ آنکھیں زمین کی طرف جھکی ہوئی جیسے کسی شے کو ڈھونڈ رہی ہوں۔

''سر۔۔۔!! آر یو اوکے؟'' اس نے جھجکتے ہوئے توقیر کے شانوں کو چھوا مگر وہ کچھ نہ بولا۔ آنکھوں سے ایک آنسو لڑھک گیا جو عالیہ کی نگاہوں سے چھپ نہ سکا۔ اس کے دل میں توقیر کے لئے ہمدردی اور فکر کے جذبات بیک وقت ابھرے تھے۔

''یہ مچھلیاں کیا کہہ رہی تھیں؟ کس مقصد کی بات کر رہی تھیں؟ کیا نہیں ملے گا آپ کو؟'' اس نے الجھے الجھے لہجے میں استفسار کیا تھا مگر وہ ابھی تک سنبھلا نہیں تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے سب کچھ ہاتھوں سے نکلتا جا رہا ہو مگر اسے تو اپنی ہمت باندھے رکھنی تھی۔ اپنے مقصد کو پورا کرنا تھا۔ بس اسی لئے بوجھل دل کے ساتھ اٹھا تو قدموں سے جیسے جان ہی نکل گئی۔ وہ لڑکھڑایا تو عالیہ نے آگے بڑھ کر سہارا دیا۔ جن بھوت سے اکیلے لڑنے والا آج قسمت کے آگے بے بس دیکھائی دے رہا تھا۔ عالیہ پوری طرح گنگ تھی۔ اس کی عقل کسی بھی نتیجے پر پہنچنے سے قاصر تھی۔ وہ چپ چاپ آفس آ گئے۔ تب ایک بار پھر عالیہ نے اس بارے میں استفسار کیا تو توقیر نے ایک گہری سانس لی اور پانی کا ایک گھونٹ پینے کے بعد گلاس زوردار آواز کے ساتھ ٹیبل پر رکھ دیا۔

''یہ سب اُس کی وجہ سے ہے۔۔ جس کی وجہ سے میں ایم اے توقیر بنا۔ جس نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا۔ میرے اپنے، میری خوشیاں، میری خواب۔۔۔ سب کچھ۔۔۔'' اس کے الفاظ میں نفرت کے انگارے شامل تھے۔ وہ کسی ان دیکھے وجود کو اپنی نفرت کا نشانہ بنائے ہوئے تھا۔ خوابیدہ لہجہ بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔ مژگان پر چمکتے موتی اپنا کرب بیان کرنے کے لئے مچل رہے تھے۔

''کون؟'' عالیہ بری طرح الجھ چکی تھی

''یُو ٹی۔۔۔!!!'' خاموشی کو چیرتی ہوئی ایک باریک سی آواز پورے آفس میں گونجنے لگی۔ وہ خود بھی اپنے لفظ کو کئی ثانیے سنتا رہا تھا۔

''یُو ٹی؟'' وہ پہلے سے زیادہ الجھی ہوئی دیکھائی دی

''اب جب آدھی حقیقت سامنے آ ہی چکی ہے تو تمہیں پوری حقیقت جاننے کا حق ہے لیکن عالیہ ابھی میں بات کرنے کی

پوزیشن میں نہیں ہوں۔۔ مجھے آرام چاہیے۔۔۔ پلیز ڈانٹ مائینڈ۔۔''آنکھیں دھیرے دھیرے بند ہوتی جا رہی تھیں۔۔ سیاہ خاموشی کا لبادہ اوڑھے گزرا وقت ایک بار پھر بند آنکھوں میں لہرایا تھا۔عالیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا اور دھیمے قدموں کے ساتھ آفس سے باہر نکل آئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیریز کی اگلی کہانی پڑھنا مت بھولیے گا

آپکی قیمتی رائے کا انتظار رہے گا۔۔